۱۸۳واں باب

معرکۂ موتہ

جب تین ہزار کی مسلم سپاہ ایک لاکھ رومیوں سے ٹکرا کر باعزت پلٹ آئی

۱۸۳واں باب

معرکۂ موتہ

جمادی الاوّل ۸ ہجری، اگست ۶۲۹ء

موتہ Mu'ta کا جغرافیہ

Mu'ta is situated 11 km to the south of al-Kerak (longitude λ=35.68, latitude Φ= 31.20) at an elevation of about 1100 m asl.

مُوتہ اردن میں بَلْقاء (کرک، Kerak) کے قریب ایک آبادی کا نام ہے جہاں سے بیت المقدس تقریباً ۱۶۰ کلو میٹر دوری پر واقع ہے۔ مدینہ سے تبوک ۶۷۰ کلو میٹر دور ہے اور تبوک سے موتہ ۳۰۹ کلو میٹر دور ہے، اس طرح مدینہ سے موتہ ۹۷۹ کلو میٹر ہے، موتہ سے بحیرہ مردار کا ساحل ۵۰ کلو میٹر ہے اور تبوک سے بحیرہ مردار ۳۵۹ کلو میٹر دور ہے۔ مدینے سے تبوک کے راستے میں خیبر ۱۷۳ کلو میٹر دوری پر ہے۔ نیچے دیے ہوئے نقشے میں بحیرہ مردار کے ساحل کے ساتھ ساتھ موتہ سے بیت المقدس کے راستے کو دیکھا جا سکتا ہے۔

موتہ کی آبادی کے قریب ہی وہ علاقہ ہے جہاں لوط نے اپنی قوم کو دعوتِ توحید اور پاکبازی کی نصیحت کی تھی۔ وہاں عوام میں ایک ایسی ہی غیر حقیقی بات مشہور ہے کہ قریب ہی بحیرہ مردار میں ساری کثافت (نمکیات) انھی بدکار لوگوں کے دب جانے کی وجہ سے ہے۔ واللہ اعلم۔

اپنی تعداد سے کئی گنا زیادہ تعداد سے ٹکرانے کے لحاظ سے یہ سب سے بڑا معرکہ تھا، بدر میں ۳۱۳ مسلمان ایک ہزار کی لوہے میں غرق مشرکین کی فوج سے ٹکرائے تھے اور خندق میں ایک ہزار یا کچھ کم، دس ہزار سے زائد

منکرین ودشمنانِ اسلام سے ٹکرائے تھے۔اس مرتبہ موتہ میں یہ تین ہزار ایک لاکھ کی فوج سے ٹکرائے تھے۔ کافروں کی فوج میں مقتولوں کی تعداد کا کوئی ریکارڈ نہیں لیکن جو حقائق تاریخ میں محفوظ ہیں اور جس بے جگری سے شوق شہادت میں مسلمان دشمنوں پر ٹوٹے تھے اُس سے راقم کا اندازہ ہے کہ یہ تعداد ایک سو سے پانچ سو کے درمیان رہی ہوگی، محض اس سے اندازہ کیجیے کہ خالدؓ بن ولید کے ہاتھ سے جنگ کے آخری روز نو تلواریں ٹوٹی تھیں، سوچیں کتنوں کو مار کر ٹوٹی ہوں گی؟ علی ہذا القیاس تین ہزار شہادت کے متوالوں نے کافروں کی تنخواہ دار فوج کو کتنا کاٹا ہوگا۔ مسلمانوں کو خواہش کے باوجود صرف بارہ شہادتیں میسر آسکیں۔اور ایک لاکھ کی لوہے میں غرق فوج کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ سبق سکھا کر شان کے ساتھ جانے والی فوج کا اپنے علاقے میں پیچھا کرتے اور گھیر مارتے۔ بلاشبہ کافروں کے لیے یہ ایک خونریز ڈراؤنا خواب تھا لیکن مسلمانوں کے لیے اگر کوئی معرکہ خونریز تھا، تو وہ صرف اُحد کا تھا جہاں ۷۰ صحابہ نے شہادت حاصل کی تھی۔ہاں یہ موتہ کا معرکہ اس لحاظ سے اوّلین ہے کہ یہ اُس وقت کی سیاسی جغرافیائی تقسیم کے لحاظ سے مسلمانوں نے اپنی حدودِ مملکت سے نکل کر رومی سلطنت کے علاقے میں ایک قطعی مبارک جارحیت کا آغاز کیا تھا۔اگرچہ یہ حملہ بنیادی طور پر مملکت اسلامیہ کے سفیروں کے وفد کو قتل کرنے کا انتقام لینے کے لیے یا سفیر کے ہاتھ بھیجے ہوئے اُس سبق کو سکھانے کے لیے کیا گیا تھا، جسے پڑھ کر وہ طیش میں آئے تھے اور سفراء کو قتل کر دیا تھا۔۸ھ/۶۲۹ء میں ہونے والا یہ معرکہ رومی میں سلطنت سے ملحق عیسائی ممالک کی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

معرکہ کا سبب:

رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد مشرکین قریش کی طرف سے کسی بھی محاذ آرائی کا امکان ختم ہو جانے کے بعد اسلام کی دعوت پھیلانے کے لیے جو سفیر اور وفود، عرب کے مختلف حصوں میں بھیجے تھے ان میں سے ایک ۱۶ ارکنی وفد شمال کی جانب شام کے بارڈر پر آباد قبائل کو بھی قبولِ اسلام کے ذریعے دنیا اور آخرت میں راہِ نجات دکھانے گیا تھا۔ یہ قبائلی لوگ اکثر عیسائی مذہب پر تھے اور رومی سلطنت سے ملحق Annexed تھے۔ان لوگوں نے ذات الطّلح کے مقام پر اس وفد کے ۱۵ آدمیوں کو قتل کر دیا اور صرف ایک صحابیؓ کعب بن عُمَیر غِفَارِیؓ بچ کر واپس آسکے۔ اسی زمانہ میں آپ ﷺ نے بُصریٰ کے حاکم شُرَحْبِیل (Sharahbeel)بن عمرو کو بھی ایک خط اسلام کی طرف بلانے کے لیے بھیجا تھا، مگر قیصر روم کے گورنر

Cyprus
Syria
Lebanon
Beirut
Damascus
Haifa
WEST BANK
Jerusalem
Jordan
Israel
Alexandria
Cairo
6th of October City
Eilat
Altubaiq Natural Reserve
Al Khanafah Wildlife Sanctuary
Tabuk
Sharm El-Sheikh
Hurghada
Asyut
Sohag
Egypt
Luxor
Aswan
Yanbu
Medina
Kirkuk
Hamedan
Kermanshah
Arak
Khorramabad
Baghdad
Iraq
Karbala
Hillah
Najaf
Ahvaz
Basrah
Arar
Sakaka
Kuwait
Hafar Al Batin
Hail
Buraydah
Az Zulfi
Unayzah
Riyadh
Al-Muzahmiya
Al-Kharj
Afif
Bah
Saudi Arabia
Google
Map data ©2021 Mapa GISrael
Global
Terms
Privacy
Send feedback
200 km

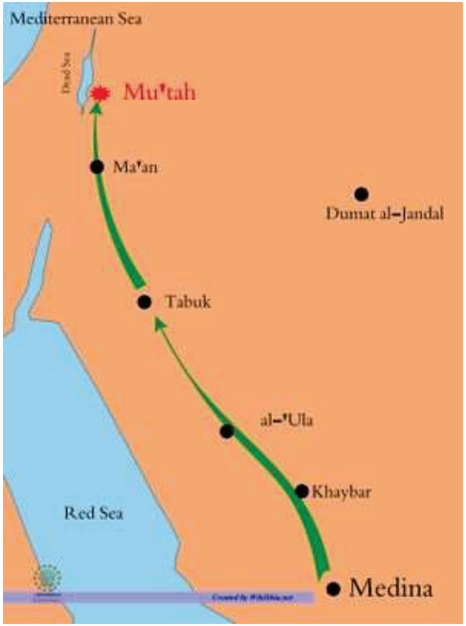

تبوک سے بحیرہ مردار ۳۵۹ کلو میٹر ہے

مدینہ سے تبوک ۶۷۰ کلو میٹر دور ہے، تبوک سے موتہ ۳۰۹ کلو میٹر دور ہے،، مدینہ سے موتہ ۹۷۹ کلو میٹر ہے، موتہ سے بحیرہ مردار کا ساحل ۵۰ کلو میٹر ہے، تبوک سے بحیرہ مردار ۳۵۹ کلو میٹر دور ہے۔ مدینے سے تبوک کے راستے میں خیبر ۱۷۳ کلو میٹر دو

شُرَحبیل نے جو کرک پر مامور تھا، نے قاصد کو گرفتار کر لیا اور ایک ستون کے ساتھ باندھ کر ان کی گردن اُڑا کے شہید کر دیا۔ شرحبیل بھی عیسائی تھا اور براہِ راست قیصر روم کے احکام کا تابع تھا۔ دورِ گزشتہ میں سفیروں اور قاصدوں کا قتل نہایت بدترین اور اعلانِ جنگ کے مترادف جرم سمجھا جاتا تھا، ایسا ہی آج بھی ہے۔ اس لیے یکے بعد دیگرے یہ دو واقعات رسول اللہ ﷺ کی حساس طبیعت پر سخت گراں گذرے، آپؐ سربراہِ مملکت تھے اور یہ حرکتیں براہِ راست مملکت کو نہ صرف چیلنج کرنے کے مترادف ہوتی ہیں بلکہ اگر خاموشی سے برداشت کر لی جائیں تو بین الاقوامی سیاست میں شدید رسوائی کا باعث ہوتی ہیں۔ بنا بریں رسول اللہ ﷺ نے جمادی الاولیٰ سن ۸ ھجری میں تین ہزار مجاہدین کی ایک فوج سرحد شام کی طرف بھیجی، یہ سریہ یا فوجی مہم دو اعتبارات سے اب تک کی تمام مہمات میں سب سے زیادہ ممتاز تھی اوّل یہ کہ مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے یہ سب سے بڑی روانہ ہونے والی فوج تھی دوم یہ کہ پہلی مرتبہ عرب سے باہر کی کسی دوسری مملکت (سلطنت روم) کی حدود میں کاروائی کی جا رہی تھی، تاکہ آیندہ کے لیے یہ علاقہ مسلمانوں کے لیے پرامن ہو جائے اور قرب وجوار کی حکومتوں کو مسلمانوں کو کمزور اور بے بس جان کر ان پر ہاتھ اُٹھانے کی جرأت نہ رہے۔

لشکر کی تیّاری اور امراء کا تقرر

رسول اللہ ﷺ نے اس لشکر کا سپہ سالار دنیا میں اپنے محبوب ترین فرد، اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ یوں تو آپؐ اپنی شادی کے اوائل ایّام ہی سے زیدؓ کو بہت پسند کرتے تھے لیکن جس دن سے (نبوت ملنے سے ۱۳/۱۴ برس قبل) زیدؓ نے اپنے والد اور چچا کے بجائے آپؐ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی اور آپؐ نے اُنھیں اپنا بیٹا بنا لیا اُس دن سے وہ آپؐ کی محبتوں کا مرکز تھے اور اُن کا بیٹا اُسامہ بن زیدؓ بھی بالکل سگے پوتوں کی مانند تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس محبت کو دیکھ کر اُسامہؓ کو محبوب ابنِ محبوب کہا کرتے تھے۔ زید رضی اللہ عنہ نے جرأت و بہادری میں وہ کارنامے دکھائے کہ گزشتہ برس آپؐ نے پانچ سرایہ جات میں سپہ سالاری کا منصب آپؓ کو سونپا۔ اس بڑی منفرد فوجی مہم پر جس میں جعفر بن ابو طالبؓ جیسی معتبر ہستی موجود ہو، زید رضی اللہ عنہ کو امیر بنانا، کم ظرف منافقین کو ناگوار ہوا اور ممکن ہے کہ مخلصین و صادقین میں سے بھی بعض نے اس کی حکمت کو جاننا چاہا ہو، بات دراصل صرف اتنی تھی کہ عرب کے رسم و رواج میں غلام ہو یا آزاد کردہ غلام ہو اُس کو وہ معاشرتی مرتبہ کبھی حاصل نہیں ہوتا تھا جو آزاد اور خصوصاً معتبر قبیلوں کے افراد کو حاصل ہوتا تھا، اور کسی بھی

معاملے میں اُن کو اُن سے فائق تر نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ایسا ہی اعتراض اُس وقت تھا جب زید رضی اللہ عنہ کا رشتہ زینب رضی اللہ عنہا کے لیے تجویز کیا گیا تھا،اور اس اعتراض کو قابلِ اعتنا ہی نہ سمجھا گیا اور رد کر دیا گیا تھا۔موتہ کی جانب لشکر کو روانہ کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اگر اِس اعتراض کے جواب میں کچھ کہا گیا ہو تو وہ توریکارڈ پر نہیں ہے، مگر اُن کے بیٹے اُسامہ رضی اللہ عنہ کو جب آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے بالکل آخری، آخری ایّام میں سپہ سالار بنایا تھا اور اُس فوج میں تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جیسی بلند پایہ شخصیت بھی ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے اُن کی اطاعت میں دی گئی تھی،تب اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت کی اہلیت و موزونیت پر کیے جانے والے اعتراض کے جواب میں اُسامہ رضی اللہ عنہ کی لیاقت، فضیلت اور اہلیت کو موکد کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں یاد دلایا کہ تم نے اِس کے باپ زید رضی اللہ عنہ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا اور پھر اللہ کو گواہ کر کے کہا کہ وہ (زید رضی اللہ عنہ) اس امارت کے لایق تھا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطَعَنَ بَعْضُ النَّاسِ فِي إِمَارَتِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ وَأَيْمُ اللَّهِ إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِلْإِمَارَةِ وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَإِنَّ هَذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ» وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَحْوُهُ وَفِي آخِره: «أوصيكم بِهِ فَإِنَّهُ من صالحيكم» . [] (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر اسامہ رضی اللہ عنہ ابن زید رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا تو بعض لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم لوگ ان کے امیر ہونے پر معترض ہو تو تم ان کے والد کے امیر ہونے پر بھی اس سے پہلے اعتراض کرتے تھے۔اللہ کی قسم وہ امیری کے لائق تھے اور وہ مجھے لوگوں سے زیادہ محبوب تھے اور یہ (اُسامہ رضی اللہ عنہ) بھی اُس کے بعد مجھے لوگوں سے زیادہ محبوب ہے (مسلم،بخاری) اور مسلم کی ایک دوسری روایت بالکل ایسی ہی ہے مگر اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ تم کو ان کے متعلق وصیت کرتا ہوں، وہ تمہارے صالحین میں سے ہیں۔

موتہ کی جانب لشکر کو بھیجتے ہوئے آپ ﷺ نے سپہ سالاری کے لیے ترتیب سے تین افراد کے نام لیے، اگر پہلا شہید ہو جائے تو دوسرا پھر اگر دوسرا بھی شہید ہو جائے تو تیسرا کمان کو سنبھال لے اور پھر اگر تیسرا تو سپاہ اپنا

سالار خود کسی کو بنالے۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ آپؐ کو کچھ مستقبل کو سونگھا رہا تھا، اِس وقت آپؐ کی کیفیت یعقوب علیہ السلام کی سی تھی جنھوں نے کچھ محسوس کیا اور کہا تھا" اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾ یوسف"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر زیدؓ قتل کر دیے جائیں تو جعفرؓ، اور جعفرؓ قتل کر دیے جائیں تو عبد اللہ بن رواحہؓ سپہ لار ہوں گے۔ اور اگر یہ تینوں کسی صورت سپہ سالاری سے معذور ہو جائیں تو پھر لشکر کو اختیار ہے کہ وہ باہمی مشورے سے اپنی پسند کا سردار منتخب کر کے اُس کے حکم کی اطاعت میں آجائے۔ اگر آپ ﷺ جانتے تھے کہ زیدؓ شہید ہو جائیں گے اور جعفر و رواحہ رضی اللہ عنہما بھی تو یہ حد درجہ کمالِ صبر کی بات تھی کہ آپ ﷺ نے بغیر کسی جذباتی اظہار کے لشکر کے لیے سفید پرچم باندھا اور خوشی خوشی اُسے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ مقررہ سپہ سالاروں کو لشکر کے آگے آگے لے کر کچھ دیگر اصحاب کے ساتھ فوج کے ہم راہ اُحد کے قدرے شمالی پہاڑوں کے درمیان اُس درّے (گھاٹی) تک تشریف لے گئے جہاں ثنیۃ الوداع کی گھاٹی کی سطح زمین بلند ہو جاتی ہے یہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے سپہ سالاروں اور لشکر کو یہ وصیت بھی فرمائی کہ اپنے مقتول بھائی حارث بن عمیرؓ [1] سے اظہارِ ہمدردی کے لیے، جس مقام پر وہ قتل کیے گئے تھے وہاں پہنچ کر اُس مقام کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو بہتر، و گرنہ، آپ ﷺ نے ہدایات دیں کہ:

- اللہ سے مدد مانگنا
- میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔
- تمھارے ساتھ جو مسلمان ہیں اُن کے ساتھ بھلائی کی تاکید کرتا ہوں۔
- اللہ کے نام سے، اللہ کی راہ میں، اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے جنگ کرنا۔
- دیکھو بد عہدی نہ کرنا
- خیانت نہ کرنا
- کسی بچے اور عورت اور قریب المرگ بوڑھے آدمی کو اور خانقاہ میں رہنے والے تارک الدّنیا کو قتل نہ کرنا۔
- کھجور کے درخت اور باغات کو نہ کاٹنا اور

ا نبی ﷺ کے سفیر جن کے قتل کا انتقام لینے یہ فوج روانہ ہو رہی تھی۔

- کسی عمارت کو منہدم نہ کرنا۔

اب لشکر کو الوداع کہنے کا وقت آ گیا تھا، آپؐ نے اور الوداع کہنے آپؐ کے ہمراہ آنے والوں نے جانے والوں کو اس دعا کے ساتھ الوداع کہہ کر رخصت کیا کہ اللہ تمھارا محافظ ہو، ہر دکھ سے تم کو دور رکھے، اور تم کو سلامت و فتح مند واپس لائے۔ جانے والوں میں سے کچھ تو شوقِ شہادت میں واپسی کی آرزو نہیں رکھتے تھے، سنیے!

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا خشیتِ الٰہی اور شوق شہادت سے مغلوب ہونا

جس وقت لشکر روانگی کے لیے تیار ہو رہا تھا اور لوگ آ، آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام زد سپہ سالاروں کو الوداع کہہ رہے تھے، اُس موقع پر عبداللہ بن رواحہؓ بے اختیار رونے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: آپؐ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: سنو، اللہ گواہ ہے کہ دُنیا کی محبت یا تم سے جدائی میرے رونے کا سبب نہیں ہے، بلکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے سُنا ہے:

وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (۱۹: ۷۱)	تم میں سے ہر شخص اُس (جہنم) پر وارد ہونے والا ہے۔ یہ تمہارے رب کی ایک لازمی اور طے شدہ بات ہے۔

میں نہیں جانتا کہ جہنم پر سے گزرتے ہوئے کیسے مامون پلٹ سکوں گا؟ مسلمانوں نے تسلی دلاتے ہوئے کہا: اللہ سلامتی کے ساتھ آپ لوگوں کا ساتھی ہو۔ آپ لوگوں کا دفاع کرے اور آپ کو ہماری طرف نیکی اور غنیمت کے ساتھ واپس لائے۔ عبداللہ بن رواحہؓ شوق شہادت سے بے قابو ہو کر بولے میں تو واپسی کا طالب نہیں ہوں! قادر الکلام تھے، اُن کے خیالات نے اشعار کا روپ دھار لیا:

لكنني أسأل الرحمن مغفرة وضربة ذات فرع تقذف الزبدا	لیکن میں تو رحمٰن سے مغفرت کا، اور ہڈیاں کاٹ ڈالنے والی، اور کھوپڑی توڑ دینے والی تلوار کی کاٹ کا،
أو طعنة بيدي حران مجهزة بحربة تنفذ الأحشاء والكبدا	یا کسی نیزہ باز کے ہاتھوں، آنتوں اور جگر کے پار اتر جانے والے نیزے کے گھس جانے کا سوال کرتا ہوں
حتى يقال إذا مروا على جدثي يا أرشد الله من غاز وقد رشدا	تا کہ جب لوگ میری قبر پر گزریں تو کہیں، ہائے وہ غازی، جسے اللہ نے ہدایت دی اور جو ہدایت پر قائم رہا۔

اسلامی لشکر کا رومی سلطنت (اردن) میں داخلہ

زید بن حارثہؓ کی قیادت میں موجیں مارتا ہوا مسلمانوں کا لشکر جس میں شامل مجاہدین کی بڑی تعداد پیدل تھی اگست کی سخت گرمی میں ایک ہزار سے کہیں زائد کلو میٹر [۹۷۶ کلو میٹر ہوائی راستے سے فاصلہ بنتا ہے، زمینی فاصلہ کہیں زیادہ ہے] کا سفر طے کر کے رومی سلطنت کے مقبوضات میں داخل ہو گیا، یہاں ایک مقام مَعَان کے قریب پہنچا تو دشمن سے ٹکرانے سے پہلے تازہ دم ہونے کے لیے رک گیا۔ یہ مقام شمالی حجاز سے متصل شامی (اردنی) علاقے میں واقع ہے۔ جاسوسوں نے اطلاع پہنچائی کہ بالکل قریب میں شَرَحْبِیل بن عمرو ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلہ پر آرہا ہے، بنو غسان اور رومیوں کے نمک خوار اور وفادار قبائل بنو لخم، بنو جذام، بنو قین، بنو بہراء اور بنو بلی کے لوگ اُس کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ خود قیصر روم حِمِص کے مقام پر موجود ہے، جو اپنے بھائی تھیوڈور کی قیادت میں مزید ایک لاکھ کی فوج لیے خیمہ زن ہے اور شَرَحْبِیل کی درخواست پر یہ فوج فوراً روانہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، یوں اگر یہ ایک لاکھ مزید آ گئے تو مسلمانوں کے اِس تین ہزار کے لشکر کا دو لاکھ کی ٹڈی دَل فوج سے مقابلہ ہوگا، یعنی ایک مسلمان کو ٦٦ کافروں سے مقابلہ کرنا ہوگا اور اگر صرف ایک لاکھ ہی سے جنگ ہو تو بھی دشمن تینتیس (۳۳) گنا زیادہ ہوگا، کوئی مقابلہ سا مقابلہ ہے؟؟ زید رضی اللہ عنہ نے کفار کی فوج کی اس تعداد میں مبالغے کا امکان ظاہر کیا لیکن پھر بھی بدرجہا، اپنی سے بڑی قوت سے ٹکرانا ہے، چناں چہ زیدؓ نے جنگی مجلس مشاورت طلب کی۔

معان میں مجلس شوریٰ

معاملہ بڑا سنگین تھا! مسلمان حیران تھے اور اسی حیرانی میں معان کے اندر دو راتیں غور اور مشورہ کرتے ہوئے گزار دیں۔ زیدؓ بن حارثہ کا تعلق بنو کلب سے تھا جو اسی قریب کے علاقے میں شامی سرحد پر آباد تھا۔ فوج اپنے طویل تھکا دینے والے سفر سے قبل آرام بھی کر رہی تھی اور اس مسئلے پر غور بھی کر رہی تھی کہ کیا کیا جائے، کس میدان کو جنگ کے لیے منتخب کیا جائے، کہاں کیمپ بنایا جائے، ایک رائے یہ بھی تھی کہ نبی ﷺ کو اطلاع بھجوائی جائے اور مشورہ یا کمک طلب کی جائے، لیکن ایک ہزار کلو میٹر کا فاصلہ حائل تھا، نہ موٹریں ایجاد ہوئی تھیں اور نہ ہی ٹیلی فون اور نہ ہی پکی سڑکیں تھیں۔ عبداللہ بن رواحہؓ نے مدینے سے دوبارہ رابطہ کرنے یا کمک طلب کرنے کی مخالفت کی۔

اس حیص بیص میں کہ کیا کیا جائے عبداللہ بن رواحہؓ نے ایک بڑی مدلل اور جامع تقریر کی، جس میں اُنھوں نے کہا کہ ہم عددی برتری کی بنیاد پر نہیں لڑتے، ہم اللہ کی مدد کے سہارے پر شہادت یا فتح کی امید پر لڑتے ہیں۔ یہی دلیل اُحد کی جنگ کے موقع پر باہر نکل کر لڑنے کے لیے دی گئی تھی اور یہ دلیل تا قیامت مسلمانوں کے لیے باطل سے بے خوف ٹکرا جانے کے لیے ہے۔ عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا کہ دوستو! فتح یا شہادت ایک چیز لازماً ہمارا مقدر ہے، اِن میں سے کسی ایک چیز ہی کے لیے ہم مدینے سے یہاں تک آئے ہیں، پھر غم کس بات کا؟ آگے بڑھیں اور اپنے مقدر کو پالیں، شہادت پاتے ہیں تو جان لو کہ ریاضِ جنت میں اپنے پہلے جا چکنے والے بھائیوں سے ملنے کا یہی موقع ہے، پس حملے کے لیے تیار ہو جاؤ اور آگے بڑھو! اس تقریر سے تمام خدشات دور ہو گئے، پورا لشکر مطمئن ہو گیا، طے ہو گیا کہ کفار کی تعداد خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو، لوہے کو لوہے سے اور سینوں کو سینوں سے ٹکرانا ہے!

مسلمانوں کی پیش قدمی اور رومی فوج سے سامنا

زید رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کو دو راتیں معان میں جنگ کے لیے تازہ دم ہونے کا موقع دیا پھر تیسری صبح لشکر کو جنگی نقطہ نظر سے ترتیب دیا۔ مَیمَنہ پر قطبہ بن قتادہ عذری مقرر کیے گئے اور مَیسَرہ پر عبادہ بن مالک انصاریؓ کو ذمہ دار بنایا گیا اور اللہ کا نام لے کر دشمن کی جانب پیش قدمی شروع کی، بلقاء کی ایک بستی میں جس کا نام "مشَارِف" تھا، قیصر روم کی ٹڈی دل افواج سے سامنا ہوا۔ دشمن مزید قریب آنے لگا تو مسلمان "موتہ" کی جانب مڑ گئے۔ دشمن افواج کچھ اس طرح سست روی سے پیچھا کر رہی تھیں گو یا ڈری ہوئی ہوں، شاید اُنھیں اتنی تھوڑی سی تعداد دیکھ کر یقین نہیں آ رہا ہو کہ یہ ہم سے لڑنے کے لیے کافی ہیں وہ غالباً سوچ رہے ہوں گے کہ کہیں مزید فوج چھپی ہے جو کسی چال بازی سے ہم کو پیچھے سے گھیرے گی، اس سب کے باوجود وہ اپنی عددی برتری کے بڑے زعم میں تھے اور سمجھ رہے تھے کہ اگر تلوار چلنے کی نوبت آ گئی تو منٹوں میں دشمن کو مسل دیں گے۔ موتہ پہنچتے ہی یک دم سپہ سالار کی جانب سے مسلمانوں کو حملے کا حکم مل گیا اور وہ پلٹ کر آندھی طوفان کی مانند رومیوں کو روندنے لگے۔ اس طرح حملے کی اُنھیں ہر گز توقع نہیں تھی، وہ ذہنی طور پر اُس لمحے مدافعت کے لیے تیار ہی نہیں تھے، وہ سوچ رہے ہوں گے کہ کچھ مذاکرات ہوں گے مسلمان جان کی امان اور معافی چاہیں گے اور کچھ کو قتل کیا جائے گا اور باقی سب کو غلام بنا لیا جائے گا، بس انھی خیالات میں رہے ہوں گے کہ

جیسے بجلی کوندتی ہے مجاہدین کی تلواروں نے اُن کی صف اوّل کو کاٹ کر رکھ دیا۔ گدھوں کی طرح دولتّیاں جھاڑتی پچھلی صفیں کچھ ہوش میں آئیں تو ایک زوردار جنگ شروع ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کے نامزد تینوں سالاروں کی شہادت

رومیوں کی ایک لاکھ فوج تین ہزار مجاہدین کے طوفانی حملوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ عجیب و غریب معرکہ تھا، موت سے بے پرواہ شہادت کی آرزو لیے مجاہدین نے اُس جرأت کا اور بے جگری کا مظاہرہ کیا، جو شاید دنیا کی دست بدست جنگوں کی تاریخ میں اس سے زیادہ ہولناک حملے دیکھنے اور سننے میں نہیں آئے تھے جیسے کہ رومیوں کے مقابلے میں مٹھی بھر مجاہدین کر رہے تھے۔ خود مجاہدین بھی حیران تھے کہ کیا وہ کھیتوں میں گاجر مولی کاٹنے آئے ہیں، یہ کیسے خوف زدہ اور کندہ ہائے ناتراش کرائے کے سپاہی تھے۔ جن کی دنیا میں دھوم تھی، کیا یہ وہی تھے جنھوں نے ایران کی اینٹ سے اینٹ بجائی تھی؟ اصل معاملہ یہ تھا کہ اللہ اِن کا مولا تھا، اور اُن کی مدد پر مولا نہیں تھا۔ مسلم فوج کی اس ساری کارگزاری کے باوجود تعداد کا اتنا زیادہ فرق تھا کہ مسلمہ جنگی پیمانوں پر مجاہدین کا اس طرح جیتنا ممکن نہیں تھا کہ دشمن کو پسپا ہونے اور جوتے چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کیا جا سکتا اور مالِ غنیمت جمع کرنے کا مرحلہ آجاتا۔

رسول اللہ ﷺ کے محبوب منہ بولے بیٹے زید رضی اللہ عنہ علَم لیے ایسی بے جگری سے لڑے کہ مجاہدین کے دل خوش ہو گئے، اُن کا جوشِ ایمانی اور خواہشِ شہادت فزوں تر ہو گئی۔ وہ لڑتے رہے اور اپنی فوج کو لڑاتے رہے یہاں تک کہ دشمن کے نیزوں سے سارا جسم لخت لخت ہو کر زمین پر گر پڑا اور وہ شہادت سے ہم کنار ہو گئے۔

سیکنڈ اِن کمان جعفر رضی اللہ عنہ کی باری تھی، رسول اللہؐ نے یونہی نہیں کہا تھا کہ زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ اپنے پیش رو کے جانشین بن جائیں۔ اُنہوں نے آنِ واحد میں علم کو اٹھایا اور اپنے شہید بھائی کے نقشِ قدم پر اپنے جسم و جان کی پوری قوت و مہارت سے دشمنوں کا قتالِ بے حساب شروع کر دیا، ایک مرحلے پر اپنے سُرخ و سیاہ گھوڑے کی پشت سے کود پڑے اور پیدل لڑنا شروع کیا وار پر وار کرتے اور روکتے رہے، دشمن کی ضرب سے وار کرنے والا داہنا ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا اور اسے مسلسل بلند رکھا یہاں تک کہ بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا۔ پھر دونوں باقی ماندہ بازوؤں سے جھنڈا آغوش میں رکھنے کی اُس وقت تک کوشش کی جب تک کہ ایک رومی نے تلوار کی ایک ضرب سے دو ٹکڑے نہ کر دیے، یوں مسلمانوں کا دوسرا

سالار بھی شہادت سے ہم آغوش ہو گیا نافعؓ بتاتے ہیں کہ انھوں نے جنگ موتہ کے روز جعفرؓ کے پاس جبکہ وہ شہید ہو چکے تھے، کھڑے ہو کر ان کے جسم پر نیزے اور تلوار کے پچاس زخم شمار کیے۔ ان میں سے کوئی بھی زخم پیچھے نہیں لگا تھا۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عَلم اٹھایا اور اپنے گھوڑے پر سوار آگے بڑھے، یوں اللہ کے رسولؐ کا نامزد تیسرا سالار میدان میں آگیا جو سارے راستے شہادت کی تمنا لیے آیا تھا، جس نے پوری فوج کو جو مقابل کی تعداد کو دیکھ کر سوچوں میں پڑ گئی تھی، سوچوں سے نکالا اور شہادت کے لیے تیار کیا تھا۔ اس مردِ مجاہد کے گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک روز وہ مسلمانوں کا سالار ہو گا، نہ ہی اُس نے اس کی کبھی تمنا کی تھی اور نہ ہی کبھی اپنے آپ کو اس قابل سمجھا تھا۔ لمحوں کے لیے اُس نے اپنے آپ کو اس منصب پر فائز ہونے کے لیے آمادہ کیا جس کے لیے دل میں کسی قدر ہچکچاہٹ تھی، اس کے بعد شیطان جو ہر انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اُسے ملامت کرتے ہوئے گویا ہوئے:

قسمت يا نفس لتنزلنه كارهـــة أو لتطاوعنـه إن أجلب الناس وشدوا الرنه مالي أراك تكرهين الجنة	اے نفس! قسم ہے تجھے کہ تو ضرور مقابلے پر آ، چاہے چاہتے ہوئے اور چاہے نہ چاہتے ہوئے اگر لوگوں نے جنگ برپا کرر کھی ہے اور نیزے تان رکھے ہیں تو میں تجھے کیوں جنت سے گریزاں دیکھ رہا ہوں۔

تیسرے سالار نے بھی اپنے پیش روؤں کی مثال کو قایم رکھا اور تلوار تھام لی........ وار پر وار کرتے اور وار پر وار سہتے رہے یہاں تک کہ رب ذوالجلال نے اپنے رسولؐ کے اُس شاعر کی آرزوئے شہادت کو شرف قبولیت بخشا، جس کے جنگی نغمے رسولِ عربیؐ بھی گنگناتے تھے۔ دور، دیار غیر میں لڑتے لڑتے اُس کا لاشہ گرا اور وہ شہید ہو گیا، وہ یتیم لڑکا جو اُس کی سرپرستی میں تھا اور ساتھ آیا ہوا تھا جان گیا کہ وہ جو دنیا کے جھمیلوں سے دور اپنے رب کے پاس اُن ساتھیوں سے ملنے جانا چاہتا تھا جو اُس سے پہلے اپنے خون سے دینِ محمدؐ کی گواہی دے چکے تھے، چلا گیا........ اور اب وہ واپسی کے سفر میں آزاد گھوڑے پر آگے بیٹھ کر جائے گا۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے لاشے کے زمین پر گرنے کے ساتھ ہی مسلم سپاہ کا عَلم بھی زمین پر آرہا، قبیلہ بنو عجلان کے ایک بزرگ صحابی ثابت بن ارقمؓ نے آگے بڑھ کر اُسے اٹھالیا کہ کوئی رہے نہ رہے اِسے تو بلند ہی رہنا

چاہیے۔ اُنھوں نے عَلم سالار بننے کے لیے نہیں اُٹھایا تھا بلکہ اس لیے کہ جب تک مسلمان اپنے نبیؐ کے فرمان کے مطابق تیسرے سالار کے شہید ہونے پر اپنے درمیان سمع و طاعت کے لیے کسی ایک کو امیر مقرر کر پائیں یہ عَلم زمین پر نہیں بلکہ ہوا میں لہراتا رہے، کیسا تاریخی لمحہ تھا جب لڑتی ہوئی مسلم سپاہ اپنا امیر تلاش کر رہی تھی، اس وقت تقوے اور سبقت فی الایمان میں آگے ہونے سے زیادہ جنگ میں مہارت والے کسی صحابی فرد کی تلاش تھی۔، کیسا نادر و عجیب لمحہ تھا!

مدینے اور موتہ کے درمیان پردے اُٹھا دیے گئے

یہی وہ لمحہ تھا جب اللہ نے اپنے نبیؐ کی آنکھوں کے سامنے سے موتہ اور مدینے کے درمیان ایک ہزار میل کے فاصلے کی طنابیں کھینچ دیں، آج اگر انٹرنیٹ اور ٹی وی کے ذریعے ہم ہزاروں، ہزاروں میل دور نہیں بلکہ لاکھوں میل دور اوپر خلا میں دوسرے سیّاروں سے، زمین پر انسانی کاروائیوں کو براہِ راست (Live) دیکھ سکتے اور مانیٹر ہیں تو وہ رب جس کے طبعی و کیمیائی قوانین سے فائدہ اُٹھا کر یہ سب کچھ کر سکتے ہیں، وہ رب کیا اپنے نبیؐ کو کچھ دور ہونے والے واقعات نہیں دکھا سکتا؟ وہی رب جو اپنے نبیؐ کو راتوں رات بیت المقدس تک اور وہاں سے آسمانوں کی سیر کے لیے آنِ واحد میں لے گیا اور واپس لے آیا تھا، کیوں اپنے نبیؐ کو مسجدِ نبوی میں، موتہ میں ہونے والی جنگ کی لمحہ بہ لمحہ کمنٹری نہیں سنا سکتا یا تفصیل دکھا سکتا تھا۔ ذیل میں اس کی روداد مارٹن لنگز کی کتاب "محمدؐ، اپنے قدیم ماخذات سے" کے اقتباس سے قارئین کے سامنے رکھتے ہیں، جس میں وہ اُس روز بعد نماز عصر مسجدِ نبوی میں رسو اللہ ﷺ کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔

> "اس لمحے آپ ﷺ کے لیے موتہ اور مدینہ کے درمیانی فاصلے کی طنابیں کھینچ دی گئیں اور آپؐ نے مشاہدہ کیا کہ زیدؓ اپنا سفید پرچم ہاتھ میں لیے اپنے ساتھیوں کی قیادت کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، آپؐ نے دیکھا کہ زیدؓ کو متعدد مہلک زخم لگے، حتّٰی کے وہ زمین پر گر گئے اور جعفرؓ نے پرچم اُٹھا لیا اور جنگ کرتے رہے۔ حتّٰی کہ شدید گھائل ہونے اور خون کے بے انتہا اخراج کے باعث انھوں نے بھی جام شہادت نوش کر لیا۔ پھر عبداللہؓ نے پرچم اُٹھایا اور دشمن پر حملہ آور ہوئے، اُن کی بھی شہادت ہوئی اور اُن کے ساتھیوں کو پیچھے دھکیل کر تتر بتّر کر دیا گیا.........رسول اللہ ﷺ جیسے جیسے جنگ کی تفصیل بیان فرما رہے تھے اُنؐ کے آنسو بہہ بہہ کر رخساروں پر آ رہے تھے۔[پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جھنڈا اللہ کی

ایک تلوار نے لیا۔(اور ایسی زوردار جنگ لڑی کہ)اللہ نے ان کو(دشمنوں پر) فتح عطا کی۔][2] اور جب نماز کا وقت ہو گیا تو آپؐ نے امامت فرمائی اور معمول کے برعکس نمازیوں کی طرف منہ کرنے کے بجائے فوراً ہی مسجد سے تشریف لے گئے۔"

جو کبھی دشمنوں کی تلوار تھا،اللہ کی تلوار بن گیا

قبیلہ بنو عجلان کے بزرگ صحابی ثابت بن ارقمؓ نے جب آگے بڑھ کر عَلم اٹھالیا تو باآواز بلند پکارا: اے ایمان والو! اپنے درمیان کسی آدمی کو سپہ سالار بنالو، صحابہؓ نے جو آپ کے گرد جمع ہو رہے تھے کہنے لگے کہ آپ ہی یہ کام انجام دیں۔انہوں نے کہا: میں یہ کام نہیں کر سکوں گا۔اُنھوں نے اپنے درمیان فنون جنگ میں سب سے زیادہ ماہر شخص خالد بن ولیدؓ کو دیکھا تو جھنڈا اُن کی طرف بڑھادیا، خالدؓ نے اس اعزاز سے انکار کیا اور کہا کہ ثابتؓ ہی اس پرچم کو اُٹھانے کا حق رکھتے ہیں۔ثابتؓ نے کہا اے اللہ کے بندے اس پرچم کو تھام لو میں نے تو یہ صرف تم کو دینے ہی کے لیے اُٹھایا تھا۔یہ سُن کر اور صحابہ کرامؓ کی جانب سے تائیدی بیانات سُن کر خالدؓ نے یہ ذمہ داری قبول کرلی۔انہوں نے جھنڈا لیتے ہی بڑی زوردار جنگ شروع کی اُس روز اُن کے ہاتھ میں نو تلواریں کافروں کی ہڈیاں توڑتے،توڑتے ٹوٹ گئیں، یہاں تک کہ اُن کے ہاتھ میں صرف ایک چھوٹی سی تلوار (یمنی بانا)رہ گئی۔

خالدؓ کی زیرِ قیادت جنگ میں ایک نئی جان پڑ گئی، پہلے ہی چھوٹی سی نفری نے دشمنوں کے ٹڈی دل میں گھس کے ٹڈیوں کی طرح اُن کو مارا تھا اور اُن کے دلوں میں ایک رعب اور خوف بٹھادیا تھا۔وہ باوجود اپنی عددی برتری کے اِن سے مقابلے کو ہی بڑا جان رہے تھے۔مسلمانوں کی اس چھوٹی سی فوج کے اوپر کامل فتح کا اُن کو اب اعتبار نہیں رہا تھا اور مسلمان تو پہلے ہی اس زمینی حقیقت کو پاچکے تھے کہ کامل فتح تو ممکن ہی نہیں لیکن ڈرا دھمکا کر دشمن کو آگے بڑھ کر وار کرنے اور واپس مدینہ کو اپنے مرکز جاتی ہوئی مسلم سپاہ کے تعاقب سے شاید روکا جا سکے۔خالدؓ نے دشمن کو ڈرانے کا کام بخوبی انجام دیا۔اگرچہ کے مسلمانوں کے تین سالاروں نے شہادت پائی،وہ بھی اس لیے کہ وہ اُس کے لیے انتہائی بے تاب تھے اور انتہائی آگے بڑھ کر اُنھوں نے دشمنوں کے نرغے میں بہادری کے جوہر دکھائے تھے،اتنی بڑی فوج کے سامنے مسلمانوں کا جانی نقصان آٹے میں نمک کے برابر تھا! دشمن کی توقع اور امیدوں سے سینکڑوں گنا کم تھا اور دشمن کا جانی نقصان اُن کے اندازے سے سینکڑوں گنا زیادہ

---

[2] بریکٹ میں دیا گئے جملے مصنف کی جانب سے اضافہ ہیں۔

تھا، یہ محض اُس اللہ کا فضل تھا جو بدر و اُحد و خندق میں دست گیری اور مشکل کشائی کر رہا تھا۔ جنگ کا پہلا دن ختم ہوا، دونوں افواج اپنے کیمپوں میں واپس پلٹ آئیں۔

رات کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے خیالوں میں اِس ادھیڑ بُن میں رہے کہ آنے والی صبح کسی طرح رومیوں کو اتنا مرعوب کر کے مسلمانوں کو پیچھے ہٹالیں کہ رومی تعاقب کا سوچ بھی نہ سکیں۔ وہ آج دن بھر کی کارکردگی سے بہت مطمئن اور خوش تھے اُنھیں اس حقیقت کا ادراک تھا کہ اگر مسلمان بھاگے تو رومی تو پیچھے سے روند ڈالیں گے اور مسلم لشکر کا ایک سپاہی بھی زندہ نہ بچ سکے گا، وہ یہ سوچ رہے تھے کہ ترتیب یہ ہو کہ ابتدائی حملہ اتنا شدید اور مرعوب کن ہو کہ وہ کچھ پسپا ہو جائیں، بس اتنا ہی کافی ہو گا اور اُس لمحے جب مسلمانوں کا پلڑا خوب بھاری پڑ رہا ہو وہ آہستگی سے پیچھے ہٹنا شروع کریں اور رومی حیرانی سے گمان کریں کہ جیتنے والے کیوں پیچھے ہٹ رہے ہیں، ضرور کوئی اپنے قریب ہمیں گھسیٹ کر مارنے کی یا آنے والی کسی کمک سے ملنے کی یہ ایک جنگی چال ہے اور وہ اس جنگی چال سے بچنے کے چکر میں پڑ جائیں اور مسلمانوں کی طرف ایک قدم بھی آگے نہ بڑھائیں۔ اُن کے ذہنِ رسا نے ایک منصوبہ بنالیا اور دوسری صبح اس منصوبے نے اُس فتح کا منہ دیکھا جو مدینہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اِن الفاظ سے ادا ہوا تھا کہ "جھنڈا اللہ کی ایک تلوار نے لیا۔ اللہ نے اُسے اُن پر فتح عطا کی۔" خالدؓ کے خیالوں کے تانے بانے میں بننے والے اس منصوبے کی کامیابی نے اُنھیں سیف اللہ یعنی اللہ کی تلوار کا لقب عطا کر دیا، حمزہؓ کے بعد جنھیں اسد اللہ یعنی اللہ کے شیر کا خطاب ملا تھا یہ بڑا خطاب اور بڑا اعزاز تھا۔

صبح ہوئی تو خالدؓ نے لشکر کی ترتیب اُلٹ دی گزشتہ کل جو اگلی صف (مقدمہ) تھی اُس کو پیچھے لے آئے، یعنی اُسے ساقہ بنا دیا اور ساقہ کو مقدمہ کی جگہ آئے اور دائیں بریگیڈ کو بائیں اور بائیں بریگیڈ کو دائیں جانب کر دیا یعنی اُس وقت کی جنگی اصطلاحات میں میمنہ کو مَیسَرَہ اور میسرہ کو میمنہ بنا دیا۔ دشمن اپنی پرانی ہی ترتیب پر تھا، ہر جگہ رومیوں کو اپنے مقابل نئے چہرے نظر آئے تو اُنھیں یہ گمان ہو گیا کہ مسلمانوں کو کمک پہنچ گئی ہے، اللہ نے اُن کے دلوں کو خوف سے بھر دیا، اُنھیں مرعوب کر دیا بالکل اُسی طرح جس طرح میدانِ اُحد میں مشرکین جیتی ہوئی جنگ چھوڑ کر بھاگے تھے اور جس طرح خندق کے سامنے خوف سے کانپ رہے تھے۔ یہی وہ لمحہ تھا جس کا خالدؓ کے ذہنِ رسا نے خواب دیکھا تھا، اُنھوں نے اپنے لشکر کی ترتیب کو قایم رکھتے ہوئے اُسے آہستگی سے پیچھے ہٹانا شروع کیا تو اِس قطعی غیر متوقع حرکت سے رومی ہکا بکا رہ گئے اور جان گئے یہ کوئی بڑی جنگی چال ہے

جس کے ذریعے مسلمان اُنھیں دھوکا دے رہے ہیں شاید وہ اُنھیں صحرا کی وسعتوں میں لے جا کر کتّے کی موت مارنا چاہتے ہیں، چالاک دشمن کیوں نرغے میں آتا! اپنے علاقہ میں واپس چلا گیا اور مورخین کو ایک لاکھ بے وقوفوں پر ہنسنے کا موقع دینے کے لیے مسلمانوں کے پیچھا کرنے کا سوچا بھی نہیں۔(پورے ایک لاکھ باقی نہیں بچے تھے دو چار سو یا کچھ زائد مسلمانوں کے ہاتھوں جہنم رسید ہو چکے تھے۔)۔ مصنف کو یقین ہے کہ ایک آدھ روز بعد قیصر روم کے بھائی تھیوڈور کی قیادت میں پہنچنے والی مزید ایک لاکھ کی فوج نے اِن جان بچا لینے والے عقلمند فوجی جنرلوں کو بہت شاباشی دی ہو گی جنھوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں رسوا ہونا اور قتل ہونا پسند نہیں کیا اور آنے والوں کو جنگ میں الجھنے سے بچا لیا، اُنھیں تنخواہیں تو مل ہی رہی تھیں کچھ تمغے بھی مل گئے ہوں گے! کرائے کے فوجیوں کی یہی کچھ اوقات تھی۔

اس جنگ میں ایک گنتی کے مطابق مسلمانوں کے صرف آٹھ مجاہدین بشمول تین سالاروں کے شہید ہوئے، ایک دوسری رپورٹ کے مطابق کل بارہ شہید ہوئے۔ رومیوں کے مقتولین کی تعداد کسی ریکارڈ میں میسّر نہیں ہے، وہ یقیناً دو چار سو کی تعداد میں مارے گئے ہوں گے۔ جیسا کہ جنگ کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی تعداد میں مارے گئے۔ اُس زمانے میں تنخواہ دار لڑنے والوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی تھی، بھرتی کرنے والوں کا کہنا تھا کہ مرنے والے کیڑوں کا کیا شمار! دنیا میں آج بھی حکومتوں کی سوچ (mind set) وہی ہے تاہم کہیں زندہ رہ جانے والے دشمن سے ساز باز نہ کر لیں، رسمی تعزیت، اعزازات، تنخواہیں اور پنشن ملتی رہتی ہیں۔

مدینے میں جنگ پر ردِّ عمل

پہلے دن کی جنگ کی شام ہوئی، اور مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی جانب سے ساری صورت حال کی اطلاع مل گئی تو عشاء کی نماز کے بعد آپؐ جعفرؓ کے گھر تشریف لے گئے، اُن کے تینوں بیٹوں کو بلایا اور اُنھیں باری باری پیار کرنے لگے تو آنکھوں سے آنسو بھی ٹپکنے لگے، جعفرؓ کی بیوی نے کہا اے اللہ کے رسول آپؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپؐ کی آنکھوں میں موتی کیوں ہیں، کیا جعفرؓ اور اُن کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی خبر ہے؟ آپؐ نے کہا ہاں یہی بات ہے وہ آج شہید ہو گئے۔ اُن کے منہ سے ایک چیخ بلند ہوئی تو عورتوں نے دوڑ کر اور رو کر، اُن کے غم میں شریک ہو کے اُنھیں دلاسہ دینا شروع کیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے اور اپنی ازواج سے کہا کہ جعفرؓ کے گھر والوں کے لیے آنے والے چند روز کھانے کا بندوبست کیا جائے،

اُنھیں غم نے اِس کا ہوش کہاں چھوڑا ہو گا۔

سالارِ اعلیٰ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا، اُسامہ اور زید رضی اللہ عنہ کے دیگر اہلِ خانہ موجود تھے، آپ ﷺ وہاں گئے تو آپ ﷺ کی ننھی پوتی (زید رضی اللہ عنہ کی بیٹی) دوڑتی ہوئی آپ ﷺ کی گود میں آگئی، آپ ﷺ نے اُسے سینے سے چمٹایا تو آپ ﷺ کا ہچکیوں کی وجہ سے یہ عالم تھا کہ سینہ بے طرح ہل رہا اور جسم مبارک کانپ رہا تھا۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اتفاقاً وہاں سے گزرے تو آپ ﷺ کو تسلی دینے کے لیے مناسب الفاظ تلاش کرتے ہوئے یہ ادب سے بولے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ محبوب کی جُدائی کا غم ہے"۔

رات کو خواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شہدائے جنگِ موتہ کو دکھلایا جو جنتوں میں فروکش تھے اور جعفر رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دکھایا کہ وہ فرشتوں کی مانند پر رکھتے ہیں اور جہاں چاہیں پرواز کر رہے ہیں۔ اِس خواب نے آپ ﷺ کے غم کو ہلکا کر دیا، فجر کی نماز کے بعد آپ ﷺ ہمیشہ کی طرح اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی جانب مڑے، آپ ﷺ بہت پر سکون و باوقار تھے۔ آپ ﷺ اسماء رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور اُنھیں اپنا خواب سنایا جس سے وہ بھی خوش اور مطمئن ہو گئیں۔

جب لشکر کے واپس پہنچنے کی آپ ﷺ کو اطلاع ملی تو جس طرح آپ ﷺ الوداع کہنے گئے تھے اُسی طرح لشکر کو خوش آمدید کہنے اور اُس کا استقبال کرنے کے لیے آپ ﷺ مدینے کی سرحد کی جانب بڑھے جہاں سے لشکر کو داخل ہونا تھا۔ آپ ﷺ نے وہاں جانے کے لیے مقوقس کی جانب سے بھیجا گیا سفید خچر منگوایا، اپنے آگے جعفر رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے کو بٹھایا۔ مدینے کے لوگ بھی کافی تعداد میں اُس لشکر کو دیکھنے اور استقبال کرنے آئے تھے جو ایک لاکھ کی فوج سے مقابلے کے بعد سیف اللہ کی قیادت میں واپس آرہا تھا، مگر وہ تین سالار جن کو الوداع کہا گیا تھا جنتوں میں جاکر بس گئے تھے وہ اس لشکر میں نہیں تھے! بڑی محبت اور عزت سے رسول اللہ ﷺ اس لشکر کو مدینے میں لے کر آئے، یہ ہر گز شکست خوردہ نہیں تھے، اگر رومی فوجوں کا ٹڈی دل اِنھیں شکست دیتا تو اِن میں سے ایک بھی زندہ نہ بچتا، اِن کی زندگی ہی اِن کی فتح کی دلیل تھی۔ مدینے کے بعض نادانوں نے جو حقیقت حال سے واقف نہیں تھے اس موقع پر اِن کو ملامت کی اور فراری [جنگ سے فرار ہو کر آنے والے] کہا اور بعض نے فرار کی توہین کے اظہار کے لیے خاک اُڑائی تو نبی ﷺ نے اُنھیں منع فرمایا اور کہا یہ فراری نہیں ہیں یہ تو واپس حملہ کرنے کے لیے پلٹے ہیں۔

☆☆☆☆☆